اشک پر رنگ داغ اور دیوان اشک

Impact of Style of Daagh on Ashk And Dewaan e Ashk

ڈاکٹر محمّد شاہ کھگہ, اسسٹنٹ پروفیسر (صدر شعبہ فارسی), گورنمنٹ گرونانک گریجوایٹ کالج ننکانہ صاحب

Dr.Muhammad Shah Khagga, Assisstant Professor Dept of Persian, Govt.Guru Nanak Graduate College، Nankana Sahib

ڈاکٹر رخسانہ بی بی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وومن یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Rukhsana Bibi, Assistant Professor, Dept. of Urdu, G-C Women University, Faisalabad

ڈاکٹر مطاہر شاہ، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

Dr. Mutahar Shah, Assistant Professor, Dept. of Urdu, Hazara University, Mansehra

محمد فاروق بیگ، لیکچرار، شعبہ اردو، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس

Muhammad Farooq Baig, Lecturer, Dept. of Urdu, Riphah International University Faisalabad

Abstract

The full name of Ash'k Rampuri is Nawabzada wajid Ali khan Ash'k Rampuri.Ash'k was born in Ram-Pur.Ram-Pur was a small state but its literary level was a very high. Even, it should be called as school of manners of Urdu-literature. Ash'k read Urdu and Persian, and due to this he was inclined towards Sufism. He had great love for Sufism and Qadari chain. These was deep pain and erythrism in his nature. He was embodiment of separation and pain. It seems that someone who was near and dear to him was aparted. He abandoned all the matters of life and preferred to live life of a Sufi. He spent his remaining life in Golra Sharif.

Keywords: Nawabzada, Rampur, Wajid Ali Khan, Persian, Qadari chain, Sufism, pain, England, Golra Sharif.

کلیدی الفاظ: نواب زادہ، رام پور، واجد علی خان، فارسی، سلسلہ قادریہ، تصوف، درد، برطانیہ، گولڑہ شریف، اسلام آباد پاکستان۔

اس کائنات میں جو بھی آیا اس نے معینہ مدت کے بعد جانا ہے۔ آفاق کی منزل سے کون سلامت گیا ہے؟ ہر کوئی اپنا اسباب لُٹا بیٹھتا ہے یعنی دنیا میں اہلِ کمال بھی زوال سے نہیں بچے۔ ہر چیز کو فنا ہے اور تماشا یہ ہے کہ جو جاتا ہے پھر مُڑ کے نہیں دیکھتا، کلیم کاشانی نے کیا خوب کہا:

وضعِ زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست
رُو پس نکر دہر کہ ازیں خاکدان نیست(1)

نہ وہ لوگ رہے، نہ وہ محفلیں، نہ صحبتیں۔ نہ وہ ادیب رہے، نہ شعراء۔ نہ وہ علما رہے نہ فقرا۔ پھر جس نئی پود سے ملاقات ہوئی، اس کا اپنے اسلاف سے واسطہ تو الگ رہا، مجھے تو اسے پہچاننا بھی دشوار تھا۔ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر تعارف کرانا پڑا۔ آج کے اس مشینی دور میں آگے نکلنے کی دوڑ لگی ہے۔ پیچھے گزر جانے والے کو کوئی نہیں دیکھتا۔ کئی نامور لوگ آئے اور آسودہ خاک ہو گئے:

پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیرِ زمیں میر ہے آرام بہت(2)

یعنی:

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہیں وہ صاحبِ اسرار(3)

میرے ممدوح حضرت اشک رام پوری ہیں جو کہ خاندانی نواب تھے۔ آپ کا تعلق ریاست رام پور ہندوستان سے تھا، آپ کے اجداد بڑا علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے۔ رام پور اُردو ادب میں اپنی ایک حیثیت اور مقام رکھتا ہے۔ دیکھنے میں رام پور ایک چھوٹی سی ریاست ہے لیکن اس کا ادبی و فنی مقام بہت بڑا ہے بلکہ اسے اردو ادب کا دبستان کہنا چاہیے۔

اس دبستان میں نواب یوسف علی خان ناظم (1815ء-1865ء) بڑے نامور تھے۔ نواب صاحب رام پور کے ادباء و شعراء سے بڑا تعاون کرتے تھے کیوں کہ وہ خود ادب دوست، سخن فہم اور قادرالکلام شاعر تھے جو ناظم تخلص کرتے تھے۔ شعر و سخن کی محافل آراستہ کرتے تھے اور بڑے خوش ذوق تھے۔ آپ نواب محمد سعید خان (1786ء-1855ء) والیِ رام پور کے فرزند تھے۔ نواب یوسف علی خان اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے

تھے۔ شروع میں حکیم مومن خان مومن (1801ء-1852ء) سے اِصلاح لی۔ ان کے انتقال کے بعد مرزا اسد اللہ خاں غالب (1797ء-1869ء) کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ منطق اور فلسفے کے بھی ماہر تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، مرزا غالب، میر حسین تسکین، مظفر علی اسیر اور دوسرے علماء اور شعراء ان کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔ 20 اپریل 1865ء کو رام پور میں انتقال فرما گئے۔ صاحبِ دیوان تھے۔ نواب یوسف علی خان کے بعد ریاست رام پور کی عنان اقتدار آپ کے فرزند ارجمند نواب کلب علی خان (1832ء-1887ء) نے سنبھالی اور اپنے والد گرامی کے کاموں کو بدستور جاری رکھا۔ رام پور کی جامع مسجد تعمیر کروائی، رضا لائبریری رام پور کو جدید طرز پر استوار کروایا اور رام پور میں کتابوں کا عظیم ذخیرہ جمع کیا۔ نواب کلب علی خان بھی عربی و فارسی ادب کے متبحر عالم تھے۔ اسلامی دنیا کے بیشتر نادر مخطوطات ان کی سعی سے رضا لائبریری میں جمع کیے گئے۔ نواب موصوف کے بیٹے نواب مشتاق علی خان (1856ء-1889ء) اور ان کے بیٹے نواب حامد علی خان (1875ء-1930ء) اس کے بعد نواب سر رضا علی خان (1908ء-1966ء) والی رام پور بنے یعنی سب کے سب شعر و ادب کے گرویدہ اور علم دوست تھے۔ صاحب زادہ واجد علی خان عرف اچھن صاحب خلف محمد علی خان (1862ء-1919ء) تھے۔ آپ نواب یوسف علی خان ناظم کے نواسے اور اُن کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ کاظم علی خان (1820ء-1873ء) کے پوتے تھے۔ صاحبزادہ محمد علی خان عرف چھٹن صاحب کا دوسرا عقد نواب یوسف علی خان صاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔ انھی کے بطن سے صاحبزادہ واجد علی خان المتخلص بہ اشک 1891ء میں پیدا ہوئے، جس کے خاندان کا ہر فرد، شاعر اور ادیب ہو، اس کے تو خمیر میں ادب پروری اور شعر دوستی خون میں سرایت کر جاتی ہے یعنی اس کے خون میں تو مادر زاد موزونیت شامل ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اشک رام پوری ہیں۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد نوابزادہ محمد علی خان سے حاصل کی اور ادبی تربیت اپنی والدہ سے پائی۔ بڑے قابل اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، جن میں جناب مولانا محمد علی جوہر (1831ء-1931ء) کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ مولانا اس ابتدائی تعلق کی بنا پر ہمہ عمر پدرانہ شفقت فرماتے رہے۔ انھی کے مشورے سے انھیں پرانے جنرل عظیم الدین خان میموریل ہائی سکول اور میانی گورنمنٹ ہائی سکول اور پھر جدید گورنمنٹ حامد سکول میں داخل کروایا گیا۔ البتہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پہلے کس سکول میں داخل ہوئے اور کس سطح تک تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد علی جوہر خود بھی گورنمنٹ حامد سکول کے طالب علم تھے اور پھر ہیڈ ماسٹر بنے۔

اسی زمانے میں ریاست رام پور کے موجودہ نواب چھٹن صاحب سے کچھ ناراضی ہو گئی اور انھوں نے کچھ دنوں کے لیے رام پور چھوڑ دیا اور مرادآباد میں سکونت پذیر ہو گئے۔ صاحبزادہ واجد علی خان بھی اپنے باپ کے ساتھ آ گئے نواب صاحب نے کوشش کر کے چھٹن صاحب کو واپس رام پور بلا لیا۔ جب دوبارہ رام پور واپس آ گئے تو اشک صاحب رام پور کے اسٹیٹ ہائی سکول میں داخل ہو گئے اور اسٹیٹ ہائی سکول کے ہونہار طالب علموں میں شمار ہونے لگے، وہ کھیلنے کودنے میں بھی نمایاں تھے۔ وہ اپنے سکول کی فٹ بال ٹیم میں شامل ہو گئے۔ اساتذہ کی قدر و منزلت تو گویا ان کی گھٹی میں شامل تھی۔ مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ گھر میں عیش و عشرت کا ماحول تھا۔ مزید علم حاصل کرنے کا شوق بھی تھا۔ اس لیے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے برطانیہ چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ اعلیٰ ثانوی سطح تک سائنس کی تعلیم پڑھی تھی۔ سائنس میں اچھے نمبر تھے۔ اس لیے شعبہ انجینئرنگ میں منتخب ہو گئے۔ شاندار کامیابی کے ساتھ ڈگری حاصل کی۔ تسکین طبع نہ ہوئی چونکہ آپ کا فطری میلان شعر و ادب کی طرف تھا۔ اس لیے فارسی اور اردو ادب کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھا۔ فلسفہ و منطق کی ورق گردانی کی۔ اسی دوران آپ کے والد محترم اس جہان ناپائیدار کو چھوڑ گئے۔ باپ کے ساتھ بہت پیار تھا جونہی یہ خبر ملی، وطن واپس آ گئے، پھر ایک زمانہ تک اپنے وطن رام پور میں ہی رہے۔ نواب رضا علی خان کے پرسنل سیکرٹری بن گئے، دنیا کے ہر معاملات سے منہ موڑ کر یک سوئی کے ساتھ کام کرنے لگے۔

> "وطن واپس آ کر نواب سر رضا علی خان کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے لیکن نواب مذکور نے ایک جگہ شادی کرنے پر مجبور کیا تو استعفیٰ دے کر حیدر آباد دکن چلے گئے اور ایک جرمن بیمہ کمپنی میں ملازمت کر لی۔ کچھ عرصہ بعد ریاست واپس آ کر سیکرٹری انڈسٹریز ہو گئے۔ شاعری کا ذوق زمانہ طالب علمی سے تھا۔ رام پور میں اپنی رہایش پر بزمِ سخن کا اہتمام کرتے تھے۔"(4)

صاحب زادہ واجد علی خان کی طبیعت میں ایک ہیجان اور درد تھا۔ سراپا ہجر و فراق تھے۔ جانے کس کی یاد انھیں تڑپاتی رہتی تھی۔ جانے کون ان سے بچھڑ گیا تھا؟ جس کی تلاش میں انھوں نے بلادِ جہان کے چپے چپے کو چھان مارا۔

محبت است کہ دل را نمی دھد آرام
وگرنہ کیست کہ آسودگی نمی خواھد(5)

اتنا جفا کش اور محنتی انسان، جو شب و روز کام کرنے کا عادی تھا اور ہمہ وقت کسی نئے مقصد کے لیے کوشاں رہنے والا، معاملاتِ دنیا سے کیوں اکتا گیا؟ اس کی زندگی میں یکسر تبدیلی کیسے آگئی؟ شاید وہ دنیا کے ہر میلے جھمیلے سے تنگ آ گیا تھا۔ ناز و نعم میں پلنے والا، مغربی بود و باش کا دلدادہ یہ جوان رعنا اب ہر محفل سے رخ موڑ کے بیٹھا تھا۔ طبیعت میں ایسی بے نیازی آگئی کہ دنیا کے ہر شاہانہ رنگ کو ترک کر کے فقیرانہ رنگ اپنا کر الگ تھلگ بیٹھ گیا۔ اسے شاہ جیلان شیخ عبد القادر گیلانی الحسنی و الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے والہانہ عقیدت اور محبت ہو گئی اور یہی محبت انھیں گولڑہ کی درسگاہ تک لے گئی۔ حضور غوث اعظم کا عکس اس جہان دیدہ اشک رام پوری نے سید غلام محی الدین بابو جی علیہ الرحمہ میں دیکھا اور پھر انہی کے ہو کر رہ گئے۔ پوری دنیا کے مختلف رنگ دیکھنے والے حضرت اشک ایک دور افتادہ گاوں گولڑہ میں مستقل رہنے کے لیے آمادہ ہو گئے، کیونکہ رام پور کی ہر گلی کوچہ سے محبت تھی اور جس کے چپہ چپہ پر ان کے باپ دادا کی شان کے نشان تھے۔ اس مرد درویش نے اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر اپنے ہادی و مرشد بابو جی سرکار کے قدموں میں رہنا پسند کر لیا۔ انھوں نے اپنی زندگی کے بارہ سال گولڑہ شریف میں گزار دیے۔ 1946ء سے 1958ء تک کا دورانیہ "گولڑے کے چاند شمس الاولیا" کے قدموں میں گزار دیا اور کیمیا بن کر اسی سرزمین میں آسودہ خاک ہو گیا۔

کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستان کاملے(6)

یہ شیخ کی نگاہ کیمیا کا اثر تھا کہ وہ گولڑہ شریف کی فضا میں مئے بغداد سے سرشار ہوتے رہے:

مئے بغداد پی ہے جب سے واجد
غم دنیا و مافیہا نہیں ہے(7)

مئے گولڑہ اور مئے بغداد پی پی کر عرفان کی منزلیں طے کرتے گئے اور ساقی کوثر و تسنیم کے فیضان سے بھی مستفید ہوتے رہے۔

غلام ساقی کوثر ہوں حشر میں بھی مجھے
سوائے شغل مے و جام کام کیا ہو گا؟(8)

اشک کو قبلہ بابو جی علیہ الرحمہ نے ایسا رنگا کہ اس پر غوثیہ رنگ چڑھ گیا۔ قادری اور چشتی بڑا پکا رنگ ہے۔ اس رنگ کی چادر اوڑھ کر ایک کمرے میں چٹائی پر بڑے مزے سے لیٹے رہے اور لنگر غوثیہ کی دال روٹی کھا کر یہ سبق دیتے کہ رام پور کے شاہانہ دستر خواں سے بھی یہ دال روٹی زیادہ لذیذ ہے۔ حضرت کے قدموں میں بیٹھنا ان کی معراج تھی۔ بیمار ہونے تک وہیں تھے۔

بیماری کے ایام ان کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھے۔پشت کے بل لیٹنے سے پشت سیاہ ہو گئی تھی، شام ہوتی تو کہتے تھے:

دن قیامت سہی گزرا تو کسی صورت سے
رات پھر اے دل ناکام ہوئی جاتی ہے(9)

اس بیماری کی شدت کے باوجود حاضرین سے اپنے پیر و مرشد کی باتیں کرتے اور غوث اعظم کے حضور اشعار رقم کرتے رہتے تھے:

میں اک قادری المشرب ہوں مجھے بادہ خاص پلا دیجیے
ہے نام مئے عرفاں جس کا یا غوث الاعظم جیلانی
حضرت کے در دولت کے سوا واجد کو وسیلہ ہے کس کا
رو رو کے نہ دے پھر کیوں یہ صدا یا غوث الاعظم
جیلانی(10)

پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی الحسنی والحسینی علیہ الرحمہ نے اشک کی غوثیہ عقیدت کے متعلق یوں لکھا ہے:

"حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خصوصی عقیدت کی بنا پر آپ حنبلی المسلک تھے۔ حضرت بابو جی علیہ الرحمہ، اچھن صاحب پر خصوصی کرم فرماتے اور انھیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔یورپ کی فتنہ ساماں فضاؤں میں زندگی گزارنے اور نوابانہ ذہن رکھنے والا یہ مرد درویش ایسا تارک الدنیا ہوا کہ آخری عمر صوم و صلوۃ کی پابندی میں گزار دی۔نواب صاحب کی خواہش کے مطابق ان کو اپنی غزل کے دو شعر لوح مزار پر کندہ کروائے گئے۔"(11)

سر قبر اک نقش پا چاہتا ہوں
بس اتنا نشان وفا چاہتا ہوں
در شاہ جیلاں پہ تکیہ ہے واجد
مقدر سے ٹکر لیا چاہتا ہوں(12)

پیر سید مہر علی شاہ گیلانی علیہ الرحمہ نسبی اعتبار سے حضور غوث پاک کی اولاد سے تھے۔اس لیے اشک کو آپ سے بڑی عقیدت اور محبت تھی، آپ کی خواہش تھی کہ میں اپنے پیر کی سوانح حیات لکھوں، چوں کہ حضرت اعلیٰ کے مریدین اور معاصرین سے ان کی ملاقاتیں رہی

تھیں۔ اس لیے آپ بہت زیادہ زندگی کی یادداشتیں "سوانح حیات" کے لیے مواد جمع کرنے کی جستجو میں رہتے تھے اور اس مصروفیت کو اپنی عبادت سمجھتے تھے۔ یاد رہے کہ ان کی نثر بھی بڑی شستہ اور رواں تھی۔ مؤلف فیض احمد فیضؒ نے "عرض مؤلف" میں اس بات کی تائید کی ہے، ملاحظہ ہو:

> "حضرت قبلہ بابو جی قدس سرہ کے ایک عقیدت مند رازیزدانیرام پوری (1906ء -1963ء) نے سوانح حیات پیر مہر علی شاہ گیلانی گولڑوی علیہ الرحمہ لکھوانے کے اصرار کے بعد قبلہ بابو جی علیہ الرحمہ سے مشروط اجازت حاصل کی۔ قبلہ نے فرمایا: لکھیے، مگر خیال رہے کہ آپ کے قلم سے میں اپنا ذکر نہیں چاہتا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ بات سے بات نکال کر میرا ذکر چھیڑ دیں اور آپ کی عقیدت کتاب کو افسانہ ہی بنادے۔ گویا حضرت بابو جی علیہ الرحمہ نے وضاحت فرمائی کہ حضرت قبلۂ عالم کا منع فرمانے سے مطلب یہ تھا کہ لوگ بعید از حقیقت باتیں لکھ کر "پیراں نمی پرند مریداں ہمی پرانند" کا مصداق بنتے ہیں۔ راز صاحب کے مسودہ کے مآخذ زیادہ تر مولٰنا شیخ الجامعہ اور نواب زادہ واجد علی خاں اشک رام پوری کی تحریریں وروایات تھیں۔ اشک رام پوری والیان رام پور کے خاندان میں سے تھے۔ یورپ میں اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ دینیات سے واقفیت اور شاعری سے شغف تھا، خوب شعر کہتے تھے۔ عمر کا آخری حصہ درویشانہ رنگ میں آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر بسر کیا۔ انھیں حضرت کے اکثر دیرینہ ارادت مندوں سے ملنے کے مواقع میسر آئے۔ 1958ء میں یہیں فوت ہو کر گولڑہ شریف میں ہی مدفون ہوئے۔"(13)

جناب اشکؔ بڑے جفاکش اور محنتی تھے۔ کم لوگ اس میدان میں ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی پر عبور رکھتے تھے۔ ان کا انگریزی لب ولہجہ تو بالکل انگریزوں جیسا تھا۔ جرمن زبان میں تقریر و تحریر کی قدرت کے ساتھ اس کے ادب پر بھی گہری نظر تھی۔ ان کی اردو بول چال نرم وملائم، شستہ، بے تکلف اور دل کش تھی۔ قبلہ پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی کتاب "نام ونسب" کے حاشیہ میں لکھا ہے:

> "اشک رام پوری یوپی کی ٹکسالی زبان بولتے اور لکھتے تھے۔ طبیعت میں شگفتگی کے ساتھ ظرافت کا عنصر بھی تھا۔ جگر مرادآبادی

جیسے مشاہیر سخن آپ سے ملنے آیا کرتے تھے۔"(14)

لیفٹیننٹ کرنل نذیر احمد صاحب بھی اشک کی شاعری اور نثر نگاری کے مداح تھے۔ آپ کی شعری لطافتوں اور نزاکتوں کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"حضرت موصوف اردو شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری میں بھی کم مایہ ناز نہ تھے۔ ترجمے کی لیاقت غیر معمولی تھی وہ اردو غزل کے بہترین نبض شناس اور شیدائی تھے۔ اچھے شعر کی دل کھول کر داد دیتے تھے اور صنف شاعری میں ان کا مقابلہ کسی معاصر کے لیے آسان نہ تھا وہ اپنے لطیف محسوسات کو شعروں میں ڈھالتے تھے اور زبان و بیان کی تمام لطافتیں اور نزاکتیں اس میں بھر دیتے تھے، سننے والا ایک طرف ان کے داخلی تجربے کو اپنے آپ میں محسوس کرنے لگتا تھا۔ دوسری طرف ان کی مرصع سازی پر عش عش کرتا تھا وہ دلی مکتب کے شاعر تھے تاہم لکھنوی انداز اختیار کرتے تو اس میں بھی دلی کی داخلیت کو اس طرح کھپا دیتے کہ صنعت گری کا وہم بھی نہیں گزرتا تھا۔ تناسب ان کی محبوب صنعت تھی لیکن تکلف کا گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ ان کے الفاظ، ترکیبیں شگفتہ، طرز ادا میں لوچ اور بانکپن تھا۔ یاس، درد اور عرفان یہ ان کے اپنے تخیلات تھے۔"(15)

یہ درد، یہ سوز اور عمدہ شعری ذوق انھیں گولڑہ شریف کی پاکیزہ و ارفع فضا سے حاصل ہوا تھا۔ بہت سے آب دار اور درخشندہ موتی سمندر کی اتھاہ تاریک گہرائیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ بہت سے پھول اگتے ہیں اور بغیر نظر آئے مرجھا جاتے ہیں اور صحرا کی ہوا میں اپنی خوشبو ضائع کر دیتے ہیں۔

روزِ ازل ملا بھی تو کیا ہم کو زادِ راہ
اِک زندگی جو باعثِ شرمندگی رہی(16)

آخری ایام میں بیماری کی تکلیف اس قدر بڑھ گئی کہ زندگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ آخر کار راولپنڈی کے ملٹری ہسپتال میں داخل ہوئے۔ ان دنوں کہا کرتے تھے کہ شاید آگے کا پاسپورٹ بن گیا ہے اور ان کا یہ خیال درست تھا:

کوئی حریف مئے لالہ فام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ اس میں آٹھ پہر
کسی کا کوچ کسی کا قیام ہوتا ہے(17)

استاد داغ دہلوی (1831ء-1905ء) کا نواب یوسف علی خاں سے بڑا تعلق تھا۔ اس وجہ سے حضرت داغ ایک عرصہ دربار رام پور میں رہے۔ داغ کی شاعری میں شوخی اور بانکپن ہے۔ عشوہ و غمزہ ایسے مضامین بڑے منفرد انداز میں پیش کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تصوف و عرفان کے مضامین بھی بڑی عمدگی سے نبھائے ہیں۔ حضرت اشک پر بھی چوں کہ متصوفانہ رنگ غالب تھا، اس لیے بہت سے اشعار اُستاد داغ کے رنگ میں کہے ہیں، چند ایک نمونہ کے لیے ملاحظہ ہوں:

داغ دہلوی:

سبب کھلا یہ ہمیں ان کے منہ چھپانے کا
اڑا نہ لے کوئی انداز مسکرانے کا(18)

اشک رام پوری:

ہائے وہ عالم خلوت ترے کاشانے کا
مجھ کو کعبے کا نہ رکھے گا نہ بت خانے کا
راز کم چشمیِ ساقی میں یہ پوشیدہ ہے
ظرف مے خوار پہ کھل جائے نہ پیمانے کا(19)

داغ دہلوی:

داغ تھا، درد تھا، ، غم تھا کہ الم تھا کچھ تھا
لے لیا عشق میں جو ہم کو میسر آیا
غیر نے آج کیا مہر و وفا کا دعویٰ
تمھیں انصاف سے کہہ دو تمھیں باور آیا(20)

اشک رام پوری:

اس دم آیا کہ جو دم میرے لبوں پر آیا
ہائے کس وقت تجھے رحم ستم گر آیا
داد بیداد کو بھول گیا سب واجد
سر جھکائے ہوئے جب سرِ محشر آیا(21)

ناانصافی ہو گی کہ جو یہ کہے کہ اشک کی شوخی اور رنگ داغ سے کم ہے۔ میں تو کہوں گا کہ داغ جیسا ہی ہے۔

داغ دہلوی:

بوسہ لے کر دل دیا ہے اور پھر نالاں ہیں داغ
کوئی جانے مفت میں حضرت کا نقصان ہو گیا(22)

اشک رام پوری:

صبح دم وہ شمع رو آنکھوں سے پنہاں ہو گیا
رات کا سارا سماں خواب پریشاں ہو گیا(23)

داغ دہلوی:

داغ کا نام سن کے وہ بولے
آدمی کا یہ نام ہوتا ہے (24)

اشک رام پوری:

ہاتھ میں جس کے جام ہوتا
آپ کا لب پہ نام ہوتا ہے
(25)

داغ دہلوی:

لگ چلی باد صبا کیا
مستانے سے
جھومتی آج چلی آتی ہے
میخانے سے
گر پڑا ہوں نگہ مست سے چکر کھا کر
ساقیا! پہلے اُٹھاتو مجھے پیمانے سے (26)

اشک رام پوری:

محتسب نے جو نکالا ہمیں مئے خانے سے
دور تک آنکھ ملاتے گئے پیمانے سے
میں نے چکھی تھی کہ ساقی نے کہا جوڑ کے ہاتھ
آپ للہ چلے جایئے مئے خانے سے (27)

ہر شاعر جس سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کی پیروی میں ضرور طبع آزمائی کرتا ہے۔ فارسی غزل سے شعرائے اردو نے بہت سے مضامین لیے، تشبیہات و استعارات کی پیروی کی۔ بہت سی بحور کا بھی تتبع کیا۔ اسی طرح شعرائے اردو نے بھی ایک دوسرے کی پیروی کی ہے۔ میری صاحبزادہ

سید شمس الدین شمس گیلانی سے بات ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا کہ سینکڑوں مثالیں ہیں یعنی اکثر شعراء میں زمانی بُعد ہونی کے باوجود بھی خیال ایک جیسا ہوتا ہے۔ شاعر کسی اور زمانے اور کلچر میں رہتا ہوتا ہے، دوسرا کسی اور ملک میں ہوتا ہے ایک دوسرے سے ملنا تو کیا، انھوں نے ان کا کلام بھی نہیں پڑھا ہوتا پھر بھی زمین تو کیا، خیال بھی ایک ہوتا ہے اور قاری پڑھ کر حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ ایسی کئی مثالیں استاد شعراء میں بھی مل جاتی ہیں۔ اشکؔ کی شاعری میں جو مضامین ملتے ہیں وہ کوئی نئے خیال نہیں ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی باندھے گئے ہیں۔ اشک رام پوری کی تمام زمینیں استعمال شدہ ہیں۔ امیر مینائی اور اُستاد داغ کا اسلوب غالب ہے۔ کون نہیں جانتا کہ پیر مہر علی شاہ گیلانی علیہ الرحمہ بہت بڑے قادر الکلام اور نغز گو شاعر تھے۔ قبلہ بابو جی علیہ الرحمہ کا شعری ذوق بہت اعلیٰ پائے کا تھا۔ قبلہ و کعبہ سیدی و مرشدی پیر سید غلام معین الدین گیلانی علیہ الرحمہ ان دنوں فارسی اور اردو میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔ ان کا شعری تخیل فن کی بلندیوں پر تھا۔ رواں بحور موسیقیت سے لبریز اور عرفانیات سے بھرپور تھیں۔ آپ کے لکھے گئے مناقب اور غزلیں درباری قوال حاجی محبوب علی، قوالی کے اسلوب میں گاتے تھے۔ بابو جی علیہ الرحمہ بہت پسند فرماتے تھے تو پوری محفل میں ایک ہیجان پیدا ہو جاتا تھا۔ اشکؔ کو جب معلوم ہوا کہ سیدی بابو جی علیہ الرحمہ کو قبلہ لالہ جی کے اشعار پسند ہیں تو تو اشک صاحب نے بھی متاثر ہو کر بطور تبرکاً اسی زمین میں غزلیں اور مناقب کہنے شروع کر دیئے۔ اس عطا اور فیضان کا وہ خود اعتراف کرتے تھے۔

بھلا ہم اور ایسے شعر کہتے لیکن اے واجدؔ
طبیعت ہی کو ہم نے گولڑے میں کچھ رسا دیکھا(28)

چند ایک اشعار قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں:

مشتاقؔ گولڑوی:

اس اپنے تصور کے مشتاق صدقے
انھیں اور مجھے ایک جا کر دیا(29)

اشک رام پوری:

اس اپنے تصور کے قربان واجد
مجھے اور انھیں ایک جا کر دیا(30)

مشتاق گولڑوی:

ملاجب کسی کا پیام محبت
کیا دل نے اٹھ کر سلامِ محبت
تصور بنا شمع فانوس خلوت
ہوئی لیلۃ القدر شام محبت
مری اصل کچھ بھی نہیں میں نے مانا
مگر ہوں تمھارا غلامِ محبت
مجھے اپنی الفت میں اپنا بنالو
کہ حیرت کریں خاص و عام محبت
تمھارا کرم ہو اگر غوثِ اعظم
تو مشتاق ہوشاد کام محبت (31)

اشک رام پوری:

ملا جب کسی کا پیامِ محبت
کیا دل نے بڑھ کر سلامِ محبت
تصور بنا شمعِ فانوسِ خلوت
ہوئی لیلۃ القدر شامِ محبت
مری اصل کچھ بھی نہیں ہے یہ مانا
مگر ہوں تمھارا غلامِ محبت
مجھے اپنی الفت میں ایسا بنا دو
کہ حیرت کریں خاص و عامِ محبت
تمھارا کرم ہو اگر غوث الاعظم
تو واجد بھی ہوشاد کامِ محبت(32)

مختصر یہ کہ ایسی توارد کی کئی مثالیں دیگر شعراء میں بھی ملتی ہیں۔ حضرت اشک قریباً زندگی کے بارہ سال سرزمین گولڑہ میں رہے۔ اپنے پیر کی محبت میں کئی شعر کہے اور نثر میں بھی ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ حضرت قبلہ بابو جی علیہ الرحمہ کی محبت میں تو غرق تھے۔ اسی لیے زندگی کے قیمتی لمحات گولڑہ شریف میں بسر کر دیئے۔

حوالہ جات

۱۔ ابو طالب کلیم کاشانی، دیوان کلیم کاشانی، بہ تصحیح حسین پرتو بیضائی کاشانی، کتاب فروش خیام، تہران، 1336ش، ص213

۲۔ میر تقی میر، کلیات میر تقی، منشی نول کشور، لکھنؤ، 1931ء، ص261

۳۔ علامہ اقبال، بال جبریل، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، 2017ء، ص291

۴۔ محمد طاہر بوستان خان، دبستانِ رام پور کے پشتون شعراء، مشمولہ: الحمد، شمارہ5 (جنوری تا جون 2 مدیر: ڈاکٹر شیر علی، شعبہ اردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، ص263

۵۔ مولانا جامی، دیوان جامی، محمد روشن، مؤسسۂ انتشارات نگاہ، تہران، 1380 ش، ص380

۶۔ علامہ اقبال، اسرار خودی، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، 2018ء، ص87

۷۔ اشک رام پوری، رنگِ اشک (لیفٹیننٹ کرنل نذیر احمد)، آغائی پرنٹنگ پریس، کراچی، 1962ء، ص112

۸۔ ایضاً، ص41

۹۔ ایضاً، ص137

۱۰۔ ایضاً، ص110

۱۱۔ نصیر الدین نصیرؒ، پیر، نام و نسب، گیلانی پبلشرز، اسلام آباد، 2010ء، ص340

۱۲۔ اشک رام پوری، رنگ اشک (لیفٹیننٹ کرنل نذیر احمد)، ص72

۱۳۔ فیض احمد فیض، مولانا، مہر منیر، جمال القرآن پرنٹرز، لاہور، 2009ء، ص ب

۱۴۔ نصیر الدین نصیر، پیر، نام و نسب، گیلانی پبلشرز، اسلام آباد، 2010ء، ص341

۱۵۔ نذیر احمد، لیفٹیننٹ کرنل، رنگِ اشک، ص20

۱۶۔ اشک رام پوری، رنگِ اشک، ص135

۱۷۔ ایضاً، ص160

۱۸۔ داغ دہلوی، کلیات داغ "مہتاب داغ" (مرتب: خواجہ محمد زکریا)، الحمد پبلی

کیشنز، لاہور، 2011ء، ص585

۱۹۔ اشک رام پوری، رنگِ اشک، ص35

۲۰۔ داغ دہلوی، کلیات داغ، "گلزار داغ"، ص96

۲۱۔ اشک رام پوری، رنگِ اشک، ص48

۲۲۔ داغ دہلوی، کلیات داغ، "گلزار داغ"، ص81

۲۳۔ اشک رام پوری، رنگِ اشک، ص38

۲۴۔ داغ دہلوی، کلیات داغ، "یادگار داغ"، ص1109

۲۵۔ اشک رام پوری، رنگِ اشک، ص160

۲۶۔ داغ دہلوی، کلیات داغ، "گلزار داغ"، ص302

۲۷۔ اشک رام پوری، رنگِ اشک، ص108

۲۸۔ ایضاً، ص40

۲۹۔ مشتاق گولڑوی، اسرار المشتاق، مکتبہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف، اسلام آباد، 1998ء، ص55

۳۰۔ اشک رام پوری، رنگِ اشک، ص45

۳۱۔ مشتاق گولڑوی، اسرار المشتاق، ص72

۳۲۔ رام پوری، رنگِ اشک، ص60